R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

مرکزی اردو کتب خانہ
اردو ہال - حیدرگوڑہ
حیدرآباد-۱

تاریخ اشاعت
۲۲-۹-۱۹۶۶

مرکزی اردو کتب خانہ
اردو ہال - حیدرگوڑہ
حیدرآباد-۱

ٹیلیفون - ۲۹
قیمت تین پیسے
[illegible]

جلد ۲۵ - شمارہ ۳۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

البرٹ کامو کی ڈائری

حال میں مشہور فرانسیسی مصنف البرٹ کامو کی ڈائری کا انگریزی میں ترجمہ (CARNETS) کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں ۱۹۴۲ء سے کر ۱۹۵۱ء تک کے اس کے بکھرے ہوئے خیالات اور اپنے کام کے سلسلے میں اشارات درج ہیں۔ اس ڈائری کے چند اقتباس ہماری زبان کے پڑھنے والوں کے لیے شاید مفید ہوں۔ ان پر تبصرے کی ضرورت نہیں عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

ایک فیاضانہ نفسیات کے لیے

ہم کسی شخص کی مدد اس طرح زیادہ کر سکتے ہیں کہ اس کی ایک اچھی تصویر اس کے سامنے پیش کریں بجائے اس کے کہ برابر اس کی خامیاں اس کے سامنے لاتے رہیں۔ ہر شخص عام طور پر کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے بہترین عکس کے مانند ہو۔ یہ بات تعلیم، تاریخ، فلسفہ اور سیاست تک بھی پھیلائی جا سکتی ہے۔ مثلاً ہم عیسائی مصوری کی بیس صدیوں کا نتیجہ ہیں۔ دو ہزار سال سے انسان کو ایک ایسی تصویر دکھائی گئی ہے جس میں وہ اپنے سے شرمسار معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال کون کہہ سکتا ہے کہ اگر ان بیس صدیوں میں ہم کلاسیکل آئیڈیل کی توسیع دیکھتے جس میں انسان کی ایک قابل تعریف تصویر ملتی، تو ہم کیا کچھ ہو سکتے تھے؟

کیا واپسی ممکن ہے؟

جدید ذہن بالکل پراگندہ ہے۔ علم اس حد کو پہنچ گیا ہے جہاں خود دنیا کو اور نہ ہمارے ذہن کو پیر ٹیکنے کے لیے جگہ مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم [illegible] (NIHILIS) کا شکار ہو گئے ہیں لیکن سب سے زیادہ تعجب انگیز وہ لوگ ہیں جو واپس جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کو رجعت، ابتدائی دور کے انسان کی ذہنیت کی طرف پلٹنا، دھرتی کی طرف مراجعت، مذہب کی طرف واپسی، پرانے نسخوں کے اسلحہ خانے کو لوٹ جانا...... یہ ناممکن ہے۔ ہمارا ذہن اس لیے پراگندہ نہیں ہے کہ ہمارے علم نے دنیا کو الٹ کر رکھ دیا ہے، بلکہ اس وجہ سے پراگندہ ہے کہ وہ دنیا کے اس طرح زیر و زبر ہونے کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکا ہے۔ وہ اس تصور کا عادی نہیں ہو سکا ہے۔ جیسے ہی یہ اس تصور کا عادی ہو جائے گا یہ پراگندگی ختم ہو جائے گی۔ پھر وہ ایک ٹوٹی دنیا کی بے ترتیبی رہ جائے گی اور اس کا وہ واضح شعور جو ہمارے ذہن میں ہوگا۔ دراصل ہمیں ایک پوری تہذیب کی دوبارہ تخلیق کرنی ہے۔

ادب اور جانب داری

میں جانب دار آدمیوں کو بہ نسبت جانب دار ادب کے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ زندگی میں ہمت اور تصانیف میں صلاحیت، یقیناً اچھی چیزیں ہیں۔ اور پھر مصنف جب چاہتا ہے کسی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کی خوبی اس کے جبلی ردعمل میں ہے اور اگر یہ بات قانون کے ذریعے، پیشے کی مجبوری سے یا خوف سے ہوئی تو اس میں خوبی کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے متعلق نظم لکھنا ان دنوں سرمایہ داری کی حمایت کرنا ہوگا۔ میں شاعر نہیں ہوں، لیکن اگر یہ نظم خوبصورت ہوتی تو اس سے لطف اٹھانے میں مجھے پس و پیش نہ ہوگا۔ یا تو ہم پورے انسان کی خدمت کرتے ہیں یا اس کی خدمت بالکل نہیں کرتے۔ اور اگر آدمی کو روٹی اور انصاف چاہیے اور اگر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جو کرنا ہے وہ ضرور کرنا چاہیے، تو وہ خالص حسن کی بھی ضرورت رکھتا ہے جو اس کے دل کی غذا ہے۔ اور کسی بات کی اہمیت نہیں۔ ہاں میں چاہوں گا کہ وہ کتابوں میں کم جانبدار ہوں اور اپنی روز مرہ زندگی میں اس سے زیادہ۔ (۹۰)

پابندی

میں آرٹ کا بلند ترین اور پرجوش ترین تصور رکھتا ہوں۔ اتنا بلند کہ اسے کسی کے ماتحت [illegible] کو ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتا۔ اتنا پرجوش کہ اسے کسی چیز سے جدا کرنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ (۱۶۹)

ہم عصر ادب

چونکانا زیادہ ہے قائل کم کرتا ہے (۲۱)

آرٹ

آرٹ میں بھی مبالغے سے کبھی نہیں ڈرنا چاہیے۔ مگر یہ مبالغہ کسی اصول کے مطابق ہونا چاہیے اور اپنی حدود کے اندر۔

خلیل الرحمن اعظمی کے تنقیدی مضامین کا نیا مجموعہ "زاویۂ نگاہ" شائع ہوگیا

یہ خبر ادبی حلقوں میں مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے ممتاز شاعر اور نقاد خلیل الرحمن اعظمی کے تنقیدی مضامین کا نیا مجموعہ "زاویۂ نگاہ" شائع ہوگیا ہے۔ اس مجموعے کو آزاد بک ڈپو پبلشرز گیا نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۲۴ صفحات کے اس مجموعے کی قیمت چھ روپے ہے اور آزاد بک ڈپو پبلشرز ہیرا گلی گیا سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (نمائندہ نگار)

"ہماری زبان" اور "اردو ادب" کی قیمت میں اضافہ

سامان طباعت و دیگر اخراجات میں اضافے کی وجہ سے پہلی اکتوبر ۶۶ء سے انجمن کے ہفتہ وار اخبار "ہماری زبان" کی سالانہ قیمت تین روپے کی بجائے چار روپیہ ہوگی۔ آئندہ جتنے خریدار بنیں گے اُن سے یہی قیمت لی جائیگی ایک پرچے کی قیمت دس پیسے کی بجائے بارہ پیسے ہوگی۔

"اردو ادب" کے جو خریدار یکم اکتوبر ۶۶ء کے بعد بنیں گے اُن سے بجائے دس روپیے سالانہ کے بارہ روپے سالانہ قیمت لی جائیگی ایک شمارے کی قیمت ڈھائی روپے کی بجائے تین روپے ہوگی۔

منیجر

مسلم یونیورسٹی کا اردو انتخاب وکرم یونیورسٹی میں داخل نصاب

وکرم یونیورسٹی اجین نے مسلم یونیورسٹی شعبہ اردو کا انتخاب برائے بی۔ اے (نثر) کو اپنے یہاں بی۔ اے سال سوم (سہ سالہ کورس) میں داخل نصاب کر لیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کالجوں میں باقاعدہ طلبہ اور پرائیویٹ طلبہ کو ملا کر اس وقت تقریباً ایک ہزار طلبہ بی۔ اے میں اختیاری مضمون کے طور پر اردو پڑھ رہے ہیں بھوپال کے حمیدیہ، سیفیہ، آر بندو اور لکشمی بائی گرلز کالج میں اس وقت پانچ سو سے زیادہ طلبہ و طالبات ڈگری کلاسز میں اردو لیے ہوئے ہیں۔ صرف بی۔ اے سال سوم میں تین سو کے قریب طلبہ ہیں۔ (ایک نامہ نگار)

بمبئی میں اُردو

پچھلے ہفتے بمبئی میں جب ٹیچرز ڈے منایا گیا تو مجھے میونسپل اردو اسکولوں کے ٹیچرز کے ایک جلسے میں جانے کا اتفاق ہوا۔

امام باڑہ اردو اسکول کے ہال میں ایک ہزار کے قریب ٹیچرز موجود تھے ان میں کافی تعداد لیڈی ٹیچرز کی بھی تھی۔ استادوں کا اتنا بڑا مجمع کم سے کم میں نے آج تک کبھی نہیں دیکھا تھا

اس موقع پر معلوم ہوا کہ مہاراشٹر سرکار کی معقول لسانی پالیسی کی مہربانی سے صرف بمبئی شہر میں ستر ہزار سے زیادہ لڑکے اور لڑکیاں میونسپل اردو اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ ان اسکولوں میں پڑھانے والے ٹیچرز کی تعداد ستر سو سے زیادہ ہے۔ (خواجہ احمد عباس "بلٹز")

شورش کاشمیری نظر بند

لاہور۔ ۱۲ ستمبر۔ لاہور میں ۷ ستمبر کی شام کو پاکستان کے سرکردہ جرنلسٹ اور سابق احرار لیڈر آغا شورش کاشمیری کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ آغا شورش متحدہ ہندوستان کے سرکردہ احرار لیڈر تھے اور انھوں نے انگریز کے عہد میں کئی بار قید کاٹی لیکن اب وہ سیاست سے دست کش ہو چکے ہیں اور اپنی تمام سرگرمیاں ہفتہ وار اخبار "چٹان" پر مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ ان کا اخبار پاکستان کے ان عناصر پر کڑی نکتہ چینی کرتا ہے جو اب مسلم لیگ اور حکومت کی مشینری پر قابض ہیں۔ آغا شورش پاکستان کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ نظر بند رکھے گئے ہیں اب انھیں منٹگمری جیل میں نظر بند کر دیا گیا ہے (سیاست جدید، کانپور)

ڈاکٹر زور کی چوتھی برسی
سہ روزہ تقاریب کا پروگرام

حیدرآباد۔ ۳۰ ستمبر ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم کی چوتھی برسی کے موقع پر ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ ستمبر کو ایوان اردو میں ادارہ ادبیات اردو کی جانب سے یوم زور کی سہ روزہ تقاریب منائی جا رہی ہیں ان تقاریب کے انتظامات کے لیے جناب سراج الدین علی خاں کو معتمد یوم زور جناب عبدالوحید خاں ناظم آثار قدیمہ کو معتمد نمائش ڈاکٹر عمر علی خاں کو معتمد تحریری مقابلہ جناب امیر حسن کو معتمد ادبی اجلاس اور عائشہ ارشاد کو معتمد مشاعرہ مقرر کیا گیا ہے۔ (ملاپ، حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گیا کا ترجمان
پندرہ روزہ انجمن گیا
(صرف ممبروں کے لیے)

ریاست بہار کی تمام شاخوں سے اپیل ہے کہ اپنی شاخوں کی کارروائیوں کی رپورٹ ارسال کریں۔ اور "انجمن" کے ساتھ تعاون کر کے اپنی آواز وسیع حلقہ میں پہنچائیں۔

کلام حیدری
صدر انجمن ترقی اردو شاخ گیا
جنگ جیون روڈ۔ گیا

سید مسعود حسن رضوی ادیب

امیر مینائی کی دو کمیاب کتابیں

ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان دو کتابوں کے نام فرض کرکے ان کو کسی نے واجد علی شاہ کی تصنیف قرار دیا ہے کسی نے امیر مینائی کی۔ امیر کی دو کتابوں کے نام شرح ارشاد السلطان اور شرح ہدایۃ السلطان تو ملتے تھے مگر کتابیں نایاب تھیں۔ اس صورت میں مختلف لکھنے والوں نے جو قیاس آرائیاں کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

"آپ (امیر) ۱۲۶۹ھ میں شاہ اودھ سلطان معظم محمد واجد علی شاہ بہادر کے دربار میں باریاب ہوئے اور دو کتابیں ہدایۃ السلطان اور ارشاد السلطان بادشاہ اودھ کے ارشاد کے مواقف تصنیف فرمائیں جن کے صلے میں دو مرتبہ خلعت گراں بہا اور انعام حسب دلخواہ سے مالا مال ہوئے[1]۔"

"۱۲۶۹ھ میں خوش قسمتی سے دربار شاہی تک رسائی ہوگئی، ارشاد السلطان و ہدایت السلطان دو کتابیں لکھ کر پیش کیں اور خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے[2]۔"

"ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان یہ کتابیں دونوں جناب مرحوم (امیر) نے قبل از غدر تصنیف فرماکر واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے حضور میں پیش کی تھیں، جن کے صلے میں سرکار شاہی سے خلعت و انعام مرحمت ہوا[3]۔"

"۱۲۷۰ھ میں حسب الحکم شاہ اودھ دو کتابیں امیر نے تصنیف کیں، جن کا نام ہدایت السلطان اور ارشاد السلطان تھے[4]۔"

"دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کرکے حضور اقدس میں گزرانیں اور خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے ان کتابوں میں کیا مضمون تھا آج اس کو بتلانے والا کوئی نہیں[5]۔"

یہ بیانات ان لوگوں کے ہیں جنھوں نے نہ ارشاد السلطان کو دیکھا تھا نہ ہدایت السلطان کو اور جن کو ان کے بارے میں کوئی صحیح معلومات نہ تھیں۔ سب سے پہلا تقریباً بالکل صحیح بیان امیر مینائی کے شاگرد شاہ محمد ممتاز علی آہ اسیتھوی کا ہے، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

"(امیر مینائی کو) بادشاہ سلامت پر اظہار لیاقت کا ایک اور موقع ملا۔ بادشاہ کے دو مختصر متن، جو کسی خاص فن میں نہ تھے اور صحت وغیرہ میں بھی پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے تھے حضرت نے اپنی علمی قابلیت اور زور طبیعت سے ان میں معنی پہنائے اور کھینچ تان کر مضمون کے قالب میں لائے۔ غلط کو صحیح بنایا اور صرف یہی نہیں بلکہ ان میں صنائع بدائع پیدا کیے اور ایک کا نام ہدایۃ السلطان دوسری کتاب کا نام ارشاد السلطان رکھا۔ ان کتابوں کے صلے میں بھی بیش بہا خلعت پائے[6]۔"

اس بیان میں صرف ایک بات ایسی ہے جس کی تصحیح ضروری ہے۔ امیر مینائی نے اپنی کتابوں کے نام ہدایۃ السلطان اور ارشاد السلطان نہیں بلکہ شرح ہدایت السلطان اور شرح ارشاد السلطان رکھے تھے۔ ہدایۃ السلطان اور ارشاد السلطان تو واجد علی شاہ کے ان دو متنوں کے نام ہیں جن کی شرح امیر نے ان کتابوں میں لکھی ہے۔

امیر کی یہ دونوں کتابیں معدوم سمجھی جاتی رہی ہیں لیکن شرح ہدایۃ السلطان کا ایک مطبوعہ نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر ان کتابوں کی تلاش میں بہت کوشش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"شرح ارشاد السلطان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا لیکن شرح ہدایت السلطان دستیاب ہوگئی۔ اس کا ایک نسخہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے[7]۔"

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس نسخے کی ضخامت، کیفیت اور اس کے مندرجات کی کچھ تفصیل اپنی کتاب مطالعۂ امیر میں لکھ دی ہے۔ مزید تفصیلات راقم کے اس مضمون میں درج کی جا رہی ہیں۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر کے بیان میں دو ایسی باتیں آگئی ہیں جن کی ترمیم ضروری معلوم ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"آخری صفحہ پر خاتمۃ الطبع کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا اصلی نام شرح ہدایۃ السلطان اور تاریخی نام رموز تدقیقات ہے جس سے ۱۲۷۰ھ نکلتے ہیں[8]۔"

---

[1] یادگار امیر مینائی ریکٹش تھانوی مطبع حیدر دکن حیدرآباد ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء)
[2] تذکرہ گل رعنا از حکیم عبدالحی ص ۹۹
[3] مکاتیب امیر مینائی مرتبہ احسن اللہ خاں ثاقب دیباچہ ص ۲۹
[4] سوانح امیر مینائی از جلیل مانک پوری ص ۲۲
[5] خمخانۂ امیر از امیر احمد علوی ص ۱۱
[6] امیر مینائی مصنفہ شاہ محمد ممتاز علی آہ اسیتھوی ص ۲۲
[7] مطالعۂ امیر از ڈاکٹر ابو محمد سحر ص ۲۹۰-۲۹۱
[8] مطالعۂ امیر ص ۲۹۲-۲۹۳

لیکن آخری صفحے سے بہت پہلے صفحہ ۸ پر بھی کتاب کا اصلی نام اس فقرے میں ملتا ہے "این ابتکار نگار مشتی وبست بہ شرح ہدایۃ السلطان":

دوسری قابلِ ذکر اہم بات یہ ہے:

"واجد علی شاہ کے عربی جملے اگر ایک ساتھ لکھے جائیں تو تین چار صفحات سے زیادہ نہ پھیلیں گے۔"

یہ اندازہ صحیح نہیں ہے۔ واجد علی شاہ کے چھوٹے چھوٹے جملے جن کو امیر نے ہدایت اللہ میں ان کے نام سے نقل کیا ہے، ان کی کل تعداد پندرہ ہے۔ جن کو اگر کسی قدر جلی خط میں بھی لکھا جائے تو چار پانچ یا دس بارہ سطروں میں آ جائیں گے۔ اور تین چار صفحوں کا کیا ذکر ایک صفحہ بھی پر نہ کر سکیں گے۔

اس مختصر سی عبارت کو فاضل شارح "نکات عجیبہ" اور "تدقیقات ولطائف غریبہ" کا دفتر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی کے مطالعے کے فیض سے میں یہ شرح لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ شارح نے اس مختصر سی عبارت کو کہیں "صحف قرطاس" کہیں "عبارتے" کہیں "کتاب سلطانی" کہیں "کتاب مستطاب سلطانی" کہیں "کتاب ہدایت مآب سلطانی" کہا ہے۔ کتاب کے لفظ سے بہتوں کو دھوکا ہو سکتا ہے۔ فارسی اور اردو میں یہ لفظ جن معنوں میں مستعمل ہے وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔ عربی میں مختصر سے مختصر تحریر کو بھی کتاب کہہ سکتے ہیں اور یہاں اس لفظ سے یہی مراد ہے۔ ایک جگہ اس تحریر کو "فقرات چند بعبارت عربی" اور ایک جگہ یہی بات ذرا وضاحت سے یوں کہی ہے "این عبارتے است از نتائج فکر سلطان عالم وزادۂ طبع آسمان پیمائے شہنشاہ امم بہ نکات غریبہ وتلمیحات ادبیہ"۔ اس عبارت کی تعریف میں امیر نے مردے "از غیب" کی زبان سے مبالغے کی انتہا کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

"این عبارت گنجینہ ایست از اسرار الٰہی کہ بوساطت ارواح انبیا و ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والثنا از مبدءِ فیاض سینہ بسینہ بایں ظل اللہ رسیدہ۔ وکیسہ ایست پر از لآلی آبدار راز ہائے حقیقت کہ از خزانۂ غیب بہ کاشانۂ دل این دانائے رموز و اسرار ودیعت گردیدہ۔"

شارح حیران تھا کہ اس منزلت کی تحریر کی شرح کیوں کر کروں کہ ایک بزرگ خجستہ صفات، عمامۂ فضیلت بر سر، لباس عرفان در بر، عصائے موسوی در دست، از بادۂ ذوق سرمست، سامنے سے نمودار ہوئے اور ان کی مشکل کو یوں حل کیا کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا جو "نقوش رنگا رنگ" سے "غیرت نگار خانۂ چین" تھا ان کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ شاہی تحریر جس کو حل کرنے کی فکر میں تو حیران ہے صحیفۂ آسمانی کی طرح گوناگوں اثرات رکھتی ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تو اس کو صبح و شام پڑھا کرے تو بارگاہ سلطانی میں تیری رسائی ہو جائے۔ شارح جو اس آرزو میں بے بس تھے اس تحریر سلطانی کو کتاب یزدانی کی طرح فرائض کے بعد وظیفے کے طور پر ہر صبح و شام پڑھنے لگے اس امید پر کہ "بندگان شاہی من تشنہ لب وادی ناکامی را بسر چشمۂ قرب بزم ارم تزئین سلطانی آرند" معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح لکھنے کے بعد شارح کی رسائی دربار شاہی میں ہو گئی۔ اتنا تو ضرور ہوا کہ خود بادشاہ کے حکم سے یہ کتاب مطبع سلطانی میں چھاپی گئی۔ اس کا گراں قدر صلہ بھی بارگاہ سلطانی سے ضرور عطا ہوا ہو گا۔

کتاب کے سببِ تالیف میں فاضل شارح نے اپنا نام انتہائی انکسار کے ساتھ یوں لکھا ہے:-

"آرزومند یادِ بسی غلامانِ سلطانِ عرش سریر امیر احمد متخلص بہ امیر"

اور اصل تحریر کے مصنف بادشاہ اودھ کا نام یوں لکھا ہے:-

"مفتاح گنجینۂ شہریاری، مصباح کاشانۂ نامداری، مطلوب زمان و زمانیان، محبوب جہان و جہانیان، مصدر برکات، مظہر حسنات، مسجود مرتقیان معارج طلاقت و ذلاقت، محسود منگیان مدارج براعت و فصاحت، لبیبے کہ کمال فصاحت پابستہ منثورات مسجع اوست، ادیبے کہ جمال بلاغت وابستۂ منظومات مرصع او۔

ادیب فاضل رخشندہ اختر — ادیب کامل فرخندہ گوہر
کیاست جوہر آئینۂ او — فراست گوہر گنجینۂ او
سریر آرائے اقلیم طلاقت — شرف افزائے سپہر ذلاقت
فصاحت گوہرے باشد ز درجش — براعت اخترے باشد ز برجش
بہار بوستان نکتہ دانی — ہزار شاد خوان خوش بیانی

حضرت قدر قدرت، کیوان رفعت، برجیس حشمت، انجم خدم، ظل سبحانی، خلیفۃ الرحمانی، قبلۂ عالم و عالمیان، سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ غازی۔"

ایسی لفاظی، اتنی ترصیع، اس حد کے مبالغے سے اب جمہوری عہد کے لوگوں کی طبیعت گریز کرتی ہے لیکن شاہی درباروں میں یہی اسلوب نگارش رائج اور مقبول تھا۔

امیر مینائی کی زیر بحث کتابوں کے بارے میں بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:-

"منشی صاحب سلطان عالم واجد علی شاہ کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اس باریابی کی وجہ غالباً ان کی دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان ہوئیں۔ یہ کتابیں آج کل کہیں نہیں ملتیں اور نہ یہ پتا چلتا ہے کہ ان میں کیا لکھا گیا ہے۔ غالباً یہ بادشاہ کی کتابوں کی شرحیں ہیں۔

واجد علی شاہ کی یہ عجیب عادت تھی کہ وہ اپنے کتب خانے میں گئے اور ادھر ادھر سے چند کتابیں اٹھالیں اور

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

کھلا بھید

کنول کرشن باتی

دل بھر آیا، آنسو امڈے
جاں تھرائی، سر چکرایا
پل بھر کو تو جیسے —
جیتی جاگتی سب دنیا اندھیر ہوئی
بادل گرجا، بجلی کڑکی
دھرتی کانپی، آکاش ہلا
پل بھر کو تو جیسے —
صدیوں کی تہذیب کی اونچی بڑی عمارت
اک جھٹکے میں، ٹوٹ پھوٹ، گر، ڈھیر ہوئی۔
آج اک نٹ کھٹ سے بچے نے
گھر گھر کی چرچا سنی سنائی بات پکڑ کر
اپنی ماں سے پوچھ لیا یوں
"بولو اماں —
دودھ امرت ہے!
کیوں دیتے ہیں زہر بنا
لوگ، امرت میں ملا ملا پانی؟"
سن اچھیرے کی بات یہ بھولی، ان جانی
کیا کہتی وہ دیوی، بے بس، گھر کی رانی
کچھ کہہ نہ سکی
کچھ سہہ نہ سکی
دل بھر آیا، آنسو امڈے
جانے کس عالم میں کھوئی!
جھٹ تنکے کر چپٹ بچھائی سے
مسّا پھوٹ پھوٹ کر روئی
اس رونے کا بھید بتائے کوئی؟

واپسی

ایچ تصوّر

میں بھی!
ڈوب کے چپ ہو رہتا،
رسموں کے گہرے،
جسموں کے ٹھنڈے،
اور لذت کے کالے دریاؤں میں۔
کاش میں ہوتا!
کہ تیرے دل کی طرح ہی،
میرا دل بھی پتھر ہوتا!!!

صفحہ ۴ سے آگے

کتاب کہیں سے بھی کھول کر چند ورق نقل کر لیے۔ وہ اس بات کا مطلق خیال نہیں کرتے تھے کہ یہ کتابیں کس مضمون کی ہیں، یا ان میں نے مختلف مضامین اور علوم کی کتابوں کے اقتباسات بے تکلف نے جمع کر دیئے ہیں۔ غرض بادشاہ کی کتابیں اسی طرح تصنیف ہوئی تھیں۔ اور وہ خود نیز ان کے درباری ان کتابوں کو اعلیٰ تصانیف میں خیال کرتے تھے۔ ایسی اٹل اور بے جوڑ کتابوں کی شرح لکھنا منشی صاحب مرحوم ہی کا کام تھا۔"[1]

اس عبارت میں کئی باتیں محل نظر ہیں۔ ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان امیر مینائی کی دو کتابیں قرار دی گئی ہیں، حالانکہ یہ واجد علی شاہ کی دو مختصر تحریریں تھیں۔

مولوی صاحب کو اقرار ہے کہ "یہ کتابیں آج کل کہیں نہیں ملتیں"۔ سوال یہ ہے کہ پھر ان کتابوں کے وجود کا علم کیونکر ہوا۔ مولوی صاحب کو یہ پتا نہ چل سکا کہ "ان کتابوں میں کیا لکھا گیا ہے"۔ پھر یہ قیاس کس بنا پر قائم کر لیا کہ یہ غالباً بادشاہ کی کتابوں کی شرحیں ہیں۔ غالباً کا لفظ بتاتا ہے کہ مولوی صاحب کو اس بات کا یقین نہ تھا۔ مگر ان کا آخری جملہ "ایسی اٹل اور بے جوڑ کتابوں کی شرح لکھنا منشی صاحب مرحوم ہی کا کام تھا" صاف ظاہر کرتا ہے کہ چند سطریں لکھنے کے بعد مولوی صاحب کو گمان یقین میں تبدیل ہو گیا۔ نہ معلوم اس تبدیلی کا کیا سبب ہوا۔

انگریزوں نے واجد علی شاہ کو عیاشی اور عیش پرستی کے لیے بدنام کیا تو ان کا مقصد تھا الحاق اودھ کو حق بجانب قرار دینا۔ مولوی صاحب نے ان کی ایک عجیب عادت کا ذکر کر کے ان کو عقل و شعور سے بیگانہ ثابت کرنا چاہا تو معلوم نہیں کہ ان کا مقصد کیا تھا۔

واجد علی شاہ کا طریقۂ تصنیف اور ان کی کتابوں کی نوعیت جو مولوی صاحب نے بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی ایک کتاب بھی مولوی صاحب نے نہیں دیکھی تھی۔ واجد علی شاہ کی ستر اسی کتابیں میری نظر سے گذر چکی ہیں جن میں سے پچاس ساٹھ میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس پر مولوی صاحب کا بیان صادق آتا ہو۔

---

[1] چشم و چراغ صفحہ ۵۷

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

ابو سلمان شاہجہان پوری

مولانا آزاد کی یاد میں

اخبارات و رسائل کے چند خاص نمبر

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس نمبر میں ۲۰ مضامین نظم و نثر میں بیشتر حصہ ادارہ کا ترتیب دیا ہوا ہے اس نمبر میں اگرچہ چند مضامین نہایت عمدہ اور معیاری و معلوماتی ہیں لیکن بیشتر مضامین معمولی اور سطحی ہیں اور غلط معلومات اور غلط اندازوں پر مبنی ہیں۔

لیکن نہایت افسوس ناک پہلو اس نمبر کا یہ ہے کہ اس میں ایک اخبار نویس کے نام "مولانا" کے بارہ خط ادارہ کی جانب سے شایع کیے گئے ہیں اور یہ سب جعلی ہیں۔ اگرچہ اخبار نویس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے لیکن معلوم ہے کہ یہ سعی ناکام رانا مسعود عبدالباقی صاحب کی ہے اس سے مولانا ابوالکلام کے عقیدت مندوں کی گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں (چونکہ اس سلسلے میں ایک مستقل مضمون لکھ چکا ہوں اور عنقریب دہلی وغیرہ کے کسی رسالہ میں شایع کرانے کا ارادہ ہے اس لیے یہاں کوئی بحث نہیں چھیڑوں گا) ریسرچ اسکالرس کے لیے یہ بھی ایک تنبیہ ہے۔

مولانا کے مضامین کے چند اقتباسات بھی زینت رسالہ ہیں۔ رسالہ کے مضمون نگار اور شعرا میں سے چند کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ متعدد تصاویر مولانا مرحوم کی ہیں۔ سرورق پر مولانا کی تصویر ہے لیکن پس منظر میں جو تصور کارفرما ہے اس سے گھن آتی ہے۔ کوئی مسلمان اس تصور کی جرأت مشکل ہی سے کر سکتا ہے۔

رسالہ کے دوسری طرف ۲۶ صفحات انگریزی مضامین کے ہیں اس حصہ کے لکھنے والوں میں ایڈیٹر کے علاوہ اے۔ ایم۔ طارق، منورما دیوان، بی۔ پی۔ ایل بیدی، شہزادہ سوری، مسٹر راج رتن دیوان دیوندرا ناتھ اور دیگر حضرات شامل ہیں۔

تبصرہ۔ لاہور، ماہنامہ (اشاعت خاص بیادگار مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ)

جلد (۱) شمارہ (۵) مارچ ۱۹۶۰ء صفحات (۶۸) سائز ۲۲×۲۹/۴

قیمت: ۱٫۲۰

ایڈیٹر: جانباز مرزا

لکھنے والوں میں: جواہر لال نہرو، راجندر پرشاد، خواجہ حسن نظامی، گووند ولبھ پنت، ہمایوں کبیر، نیاز فتح پوری، ذاکر حسین، دیوان سنگھ مفتون، شورش کاشمیری، غلام رسول مہر، ارونا آصف علی، منظور احمد بٹی، انور صابری، تلوک چند محروم اور جانباز مرزا کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔ ان میں سے ہر مضمون مولانا مرحوم کے علم و فضل، ان کی عظمت اور خدمات کی دستاویز ہے۔

سرورق پر پورے صفحہ کی ایک سہ رنگی دیدہ زیب تصویر ہے۔

ثقافت الہند۔ دہلی، سہ ماہی (عربی)

جلد (۹) شمارہ (۱، ۲) مارچ و جون ۱۹۵۸ء

صفحات: (۲۴۴) سائز ۲۰×۲۶ قیمت چار روپے

شایع کردہ: انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز، نئی دہلی

لکھنے والے: ہمایوں کبیر، مترجم محمود علی خاں، محی الدین الوائی، عبدالعلیم عامر انصاری، ابی نصر احمد حسینی اور ناصر انصاری

مولانا آزاد مرحوم کی ایک تقریر کا صدرالدین نے ترجمہ کیا ہے اور مولانا کے مشہور اور تاریخی بیان "قول فیصل" کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ میں بعض حصوں کو نظر انداز کر دیا ہے جیسے اردو مختصر نویسی کی تاریخ اور سرکاری رپورٹروں وغیرہ کے بارے میں مولانا کا بیان۔ غالباً یہ ترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا ہے۔

مولانا کی متعدد تصاویر شامل ہیں۔ اگرچہ اس پر "آزاد نمبر" کے رسمی الفاظ درج نہیں لیکن تمام مضامین مولانا آزاد پر ہیں اس لیے اس نمبر کو خصوصی شماروں میں شامل کر لیا۔

جامعہ۔ دہلی، ماہنامہ (مولانا ابوالکلام آزاد نمبر)

جلد (۴۹) شمارہ (۳) مارچ ۱۹۶۳ء

صفحات (۸۰) سائز ۲۳×۱۸ قیمت ایک روپیہ

ایڈیٹر: عبداللطیف اعظمی

لکھنے والے: آل احمد سرور، مولانا غلام رسول مہر، عبداللہ ولی بخش، ریاض الرحمن شروانی، عبداللطیف اعظمی اور ابو سلمان شاہجہان پوری۔

یہ نمبر مولانا مرحوم کی خدمات کے اعتراف اور ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے پیش کیا گیا۔ تمام مضامین اسی خاص نمبر کے لیے لکھے گئے۔ مولانا مرحوم سے متعلق اخبارات و رسائل کے خاص نمبروں میں جامعہ کا یہ نمبر ایک بلند مقام اور خصوصی اہمیت کا حامل ہے یہی وجہ ہے کہ علمی حلقوں میں اسے بہت پسند کیا گیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

سرورق مولانا مرحوم کے آخری دور کی ایک خوبصورت تصویر سے مزین ہے۔

جمہور۔ علی گڑھ، دو روزہ (آزاد نمبر)

جلد (۱۰) نمبر (۹) ۲۶ فروری ۱۹۵۹ء

صفحات (۱۲) سائز ۲۰×۳۰ قیمت دو آنے

ایڈیٹر: محمد عمر خاں عمر

لکھنے والے: راجندر پرشاد، انور صابری، ریاض الرحمن شروانی، محمد عبدالشاہد خاں شروانی، محمد مقتدیٰ خاں شروانی اور ایڈیٹر کے بلند

مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم کی پہلی برسی پر اکابر علماء، مفکرین اور سیاسی لیڈروں کے پیغامات اور خراج عقیدت۔

جمہور۔ علی گڑھ، دہ روزہ (ابوالکلام نمبر)

جلد (۱) نمبر (۵، ۶) ۱۶، ۲۶ / فروری ۱۹۶۰ء
صفحات (۱۲) سائز ۳۰×۲۰/۴ قیمت ۴ر
ایڈیٹر: محمد عبدالرحیم خاں غازی
لکھنے والے: محمد عبدالشاہد خاں شروانی، ریاض الرحمٰن خاں شروانی کے مقالات اور مقبول احمد کی ایک نظم پر شامل ہے۔

مولانا آزاد کی ایک رباعی، ایک خطبہ سے اقتباس اور ۱۹۴۷ء میں جامع مسجد دہلی کی مشہور تقریر سے یہ پرچہ مزین ہے۔

جمہور۔ علی گڑھ، دہ روزہ (آزاد نمبر)

جلد ۱۲ نمبر ۶، ۲۶ / فروری ۱۹۶۱ء
صفحات ۱۲ سائز ۳۰×۲۰/۴ قیمت ۲ر
ایڈیٹر: محمد عبدالرحیم خاں غازی

یہ خصوصی نمبر ریاض الرحمٰن خاں شروانی کے ایک طویل اداریہ اور محمد عبدالشاہد خاں شروانی کے مضمون "ترجمان القرآن" پر مشتمل ہے دونوں مضمون نہایت عالمانہ انداز میں لکھے گئے ہیں، حقائق سے پر اور مفید معلومات پر مشتمل ہیں۔ نہایت اہم اور قابل مطالعہ ہیں۔

مولانا مرحوم کا ایک مضمون رمضان المبارک سے متعلق الہلال سے اور ایک غزل مخزن لاہور سے منقول ہے۔

جمہور۔ علی گڑھ، دہ روزہ (آزاد نمبر)

جلد ۱۳ نمبر ۴ تا ۶۔ ۲۶، ۶ / فروری ۱۹۶۲ء
صفحات ۱۲ سائز ۳۰×۲۰/۴ قیمت ۱۲ نئے پیسے
ایڈیٹر عبدالرحیم خاں غازی

اس خصوصی نمبر کے اداریہ کے علاوہ صرف ایک طویل مضمون محمد عبدالشاہد خاں شروانی کا مولانا آزاد کی صحافت پر ہے۔ مضمون عالمانہ و محققانہ اور لائق مطالعہ ہے۔

جمہور جب تک جاری رہا یہ رسم وفا و عقیدت جاری رہی اور خصوصی نمبروں کے علاوہ عام نمبروں میں بھی مولانا مرحوم پر بیش قیمت مضامین شایع ہوتے رہے خصوصاً ابتدائی نمبروں میں یعنی ۱۶-۲۶ / فروری ۱۹۵۸ء اور ۶ / مارچ ۱۹۵۸ء وغیرہ میں مولانا مرحوم کی زندگی، ان کے علم و فضل اور ان کی خدمات پر قابل مطالعہ مواد پیش کیا گیا ہے۔

چٹان۔ لاہور، ہفت روزہ

جلد (۱۱) شمارہ (۹) ۳ / مارچ ۱۹۵۸ء
صفحات (۲۴) سائز ۳۰×۲۰/۴ قیمت ۴ر
ایڈیٹر: شورش کاشمیری نائب ایڈیٹر: محمد وارث کامل

اس نمبر پر اگرچہ مولانا مرحوم سے نسبت کے رسمی الفاظ درج نہیں لیکن نمبر کے تمام مضامین نظم و نثر مولانا سے متعلق ہیں اس لیے آزاد نمبروں میں اس کا بھی شمار کیا گیا۔

وقار انبالوی، دیوان سنگھ مفتون، نذیر صابر، شورش کاشمیری اور محمد وارث کامل کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں، مفتون اور شورش کے مضامین معلوماتی اور قابل مطالعہ ہیں۔

ابتدائی اور آخری چار صفحات میں مولانا مرحوم کی تصویر اور ان کے جنازہ اور جلوس میت کی چھوٹی بڑی متعدد تصاویر شامل ہیں۔

چٹان۔ لاہور، ہفت روزہ

جلد (۱۱) شمارہ (۱۰) ۱۰ / مارچ ۱۹۵۸ء
ایڈیٹر: شورش کاشمیری نائب ایڈیٹر: محمد وارث کامل

اس نمبر میں بھی مدیران گرامی کے مضامین نظم و نثر کے علاوہ ابو شاہجہانپوری کا ایک مضمون، محمد رمضان مبسم کا قطعۂ تاریخ، اسلم انصاری کی ایک نظم اور اکابر ہند و پاکستان کے بیانات و تقاریر کا خلاصہ درج ہے۔

چٹان۔ لاہور، ہفت روزہ (ابوالکلام نمبر)

جلد ۱۸ شمارہ ۷۔ ۱۵ / فروری ۱۹۶۵ء
صفحات ۴۰ سائز ۳۰×۲۰/۴ قیمت ۶۲ پیسے
ایڈیٹر: شورش کاشمیری

لکھنے والے: ایڈیٹر، محمد خضر حیات، رشید احمد صدیقی، عبدالماجد دریابادی، شریف کنجاہی، تشنہ بہادر خاں، رشید جالندھری، ابو سلمان شاہجہانپوری، طاہر جمید، حکیم (مترجم: محمد وارث کامل مرحوم) کے مضامین اور ایڈیٹر، وقار انبالوی اور جگن ناتھ آزاد نے اشعار میں اپنے تاثرات رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی جامع صفات، جامع جہات اور جامع حیثیات شخصیت کی تلاش میں اس نمبر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو مولانا مرحوم کی وفات کے کامل سات سال بعد نکلا ہے۔ اس لیے نمبر پر جذبات عقیدت کی چھاپ اور محض تاثرات کا اظہار نہیں ہے بلکہ مولانا کے علم و فضل، اخلاق و کردار اور خدمات جلیلہ پر ٹھوس مواد پیش کیا گیا ہے۔ مولانا کے عقیدت مندوں کے لیے خاص تحفہ اور علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بیش قیمت سرمایہ ہے۔

پورے سرورق پر مولانا کی ایک بڑی خوبصورت اور رنگین تصویر ہے اندرونی صفحات میں بھی متعدد چھوٹی چھوٹی تصاویر ہیں۔

(باقی آئندہ)

مراسلات

لفظ لغت کی تذکیر و تانیث

۲۲ر اگست ۶۶ء کے "ہماری زبان" میں جناب صفدر آہ صاحب نے صفحہ ۱۲ پر لفظ لغت کی تذکیر و تانیث کے بارے میں جناب ریاض الحسن کے ایک مراسلہ شائع شدہ ۱۵ر جون ۶۶ء پر اعتراض کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

"جناب ریاض الحسن صاحب نے لفظ لغت کو مونث ارقام فرمایا ہے، حالانکہ "لفظ لغت" کو "جمہور اردو" نے متفقہ طور پر مذکر مانا ہے کیا اسے موصوف کا صرف اتفاقی سہو تحریر سمجھا جائے؟"

جناب صفدر آہ صاحب کا ارشاد کہ "جمہور اردو" نے متفقہ طور پر مذکر مانا ہے، محل نظر ہے۔ ہماری نظر سے اس سلسلہ میں جو مستند تحریریں گذری ہیں، وہ جمہور اردو ہی کے قلم کی رہین منت ہیں۔ ان میں "لفظ لغت" مونث اور مذکر دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے مونث استعمال کی مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے جمہور اردو کے متفقہ مذکر ماننے کے دعویٰ کی تردید خود بخود ہو جاتی ہے، اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ لفظ لغت کا مونث استعمال کرنا جائز ہے۔

آخر میں اہل علم اور زبان داں حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے فیصلے سے آگاہ فرمائیں تاکہ "لفظ لغت" کی تذکیر و تانیث کی تحقیق سب کے سامنے آسکے۔

(۱) خود صاحب فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد صاحب نے اس لفظ کو مونث استعمال کیا ہے۔ وہ فرہنگ کے سبب تالیف کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

"یعنی اوستادان دہلی ایک بہت بڑی مبسوط لغات معہ محاورات اور اصطلاحات لکھی" سبب تالیف صفحہ ۲۱

(۲) انھوں نے اپنے مضمون کو مندرجہ ذیل قطعہ پر ختم کیا ہے۔ اس میں بھی "لفظ لغت" مونث استعمال ہوا:

اے اہل خبر کچھ تو ادھر بھی کہ بیٹھے ہیں ... کب سے دعائے خیر کے امیدوار ہم
جو کچھ بنا کسی سے وہی چھوڑ دیا ... اپنی لغات چھوڑ چلے یادگار ہم

صفحہ ۲۹

(۳) حامد حسن قادری صاحب نے اپنی کتاب "داستان تاریخ اردو" صفحہ ۶۰ پر لکھا ہے۔

"مولوی سید احمد کی اس فضیلت میں شک نہیں کہ انھوں نے اردو کی سب سے بڑی اور مکمل لغت سب سے پہلے مرتب کی"

(۴) "جامعہ ملیہ جو ہندوستان کا ایک مستند علمی ادارہ ہے اور جس نے بڑی خصوصیت کے ساتھ مستند ادیبوں اور انشاء پردازوں سے اردو کا نصاب مرتب کرایا ہے اس کی شایع کردہ اردو کی پانچویں کتاب میں ہے کہ:

"مدرسہ کے کتب خانے میں جا کر ہندوستانی زبان کی ایک لغت نکلواؤ اور اس میں ان لفظوں کے معنی معلوم کرو اور اپنی کاپی میں لکھو" صفحہ ۱۱

(۵) "انجمن ترقی اردو نے اپنی مطبوعات کی ایک فہرست شائع کی ہے اس کے صفحہ ۶ پر درج ہے

"انجمن نے ۹ سال کی مسلسل محنت اور ماہرین لسانیات کی مدد سے یہ لغت تیار کی ہے۔ اس لغت میں دس ہزار سے زاید الفاظ اور بیس ہزار کے قریب ہندی مترادفات ہیں" صفحہ ۱۳

(سید ولید احمد برکاتی ٹونک)

(۲)

۲۲ر اگست ۶۶ء کے "ہماری زبان" میں صفحہ ۱۲ کالم ۱ پر ڈاکٹر صفدر آہ کا یہ استفسار نظر سے گذرا کہ آیا ریاض الحسن صاحب نے لغت کو جو مونث لکھا ہے وہ محض سہواً ہے یا انھوں نے دانستہ ایسا کیا ہے ویسے اس کا جواب تو ریاض الحسن صاحب ہی دے سکتے ہیں مگر جہاں تک میرا خیال ہے اردو میں اس سلسلے میں دو مکاتب پائے جاتے ہیں۔ ایک مکتب لغت کو مذکر کہتا ہے اور ایک مونث خود ہمارے جنوبی ہند اور دکن میں بھی لغت کو عام طور پر مونث ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن شاید ڈاکٹر صاحب موصوف جنوبی ہند یا دکن کی مثال کو قابل اعتبار نہ سمجھیں اس لیے عرض ہے کہ شمالی ہند میں بھی اکثر لوگ لغت کو مونث ہی کہتے ہیں۔ خود بابائے اردو مولوی عبدالحق نے لغت کو مونث لکھا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی شہرہ آفاق انگریزی اردو لغت کا دیباچہ دیکھا جا سکتا ہے

(رشید الدین حیدرآباد)

غالب سے منسوب ایک شعر کے بارے میں

دل آپ کا کہ دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا ... دل لیجئے مگر مرے ارماں نکال کے

۲۲ر اگست کے "ہماری زبان" میں جناب عرشی صاحب نے صاف طور سے واضح کر دیا ہے کہ یہ شعر غالب کا نہیں ہے۔

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط ... بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

یہ شعر بھی غالب کا نہیں ہے کیونکہ یہ شعر نہ "نسخہ حمیدیہ" میں ہے نہ "شرح دیوان غالب" (از حسرت موہانی) میں ہے۔ صرف یہ شعر متفرق اشعار کے تحت "دیوان غالب" (حالی پبلشنگ ہاؤس ص ۲۲۱) میں ہے۔ یہ شعر کس کا ہے؟ قارئین "ہماری زبان" اس کے متعلق کچھ لکھیں۔

بزم اکبرآبادی صاحب کا ایک شعر یوں ہے —

ایک تصویر کسی شوخ کی اور نامے چند ... گھر سے عاشق کے پس مرگ یہ ساماں نکلا

(ایس محمد محسن اچلپور)

۱؎ دیوان غالب مرتبہ مالک رام مطبوعہ آزاد کتاب گھر دہلی کے صفحہ ۲۲۳ پر "ردیات" کے تحت بھی درج ہے (ادارہ "ہماری زبان")

۱؎ اردو میں لغت لفظ کے معنی میں مذکر اور ڈکشنری کے معنی میں مونث ہے
۲؎ فرہنگ آصفیہ جلد چہارم صفحہ ۱۹۰ پر لغت کو اسم مذکر تحریر کیا گیا ہے۔
۳؎ یہ مصرع ناموزوں اور غلط ہے اصل مصرع یہ ہے
جو کچھ بنا کسی سے وہی چھوڑ ہیر پھار
(ادارہ "ہماری زبان")

اردو کو بہار ریاست میں علاقائی و ثانوی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے

بہار ریاستی اردو کانفرنس کا مطالبہ

پٹنہ (انجمن اسلامیہ ہال) ۱۰، ۱۱ ستمبر ۶۶ء کو یہاں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی دو روزہ تاریخی کانفرنس ہوئی جس میں ریاست کے دور دراز مقامات سے آئے ہوئے ہزاروں ہزار اردو زبان کے جاں نثاروں نے شرکت کی۔ ایک اندازہ کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ حاضرین کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی تمام شاخوں سے ساڑھے تین سو ڈیلیگیٹوں نے شرکت کی جن میں پٹنہ کے بعد گیا شاخ سے شرکت کرنے والے نمائندوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔

۱۰ ستمبر ۶۶ء کو سات بجے شام میں افتتاحی جلسہ ہوا جس کی صدارت جناب شیو پرشاد سنہا سابق جج الٰہ آباد ہائی کورٹ نے کی۔

محترمہ لیڈی انیس امام صاحبہ نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔

محترمہ لیڈی انیس امام صاحبہ نے معزز مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے اپنے خطبے میں کہا کہ "دنیا کی کوئی قوم صحیح معنوں میں ترقی نہیں کر سکتی تا وقتیکہ اس کے باشندوں کا ذریعۂ تعلیم مادری زبان نہ ہو۔ اردو کی بقا کا انحصار محبان و ہمدردان اردو پر ہے زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو پڑھنے لکھنے کی ترغیب دی جائے۔ کوئی بھی زبان زندہ جبھی رہ سکتی ہے جب کثرت سے اس کا استعمال ہو۔ اردو زندہ ہے اور انشاء اللہ زندہ رہے گی۔"

انھوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ کے آخر میں کہا "بہار کے اردو دوستوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ قانونی طور پر اردو کو بہار کی ثانوی سرکاری زبان بنا کر دم لیں گے۔ ایوان ہائے قانون ساز میں بہار آفیشیل لینگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے سات مخصوص کاموں کے لیے اردو کو ریاست بہار کی ثانوی سرکاری زبان قرار دے دیا جائے۔ آج سے دس سال پہلے ہم نے دس لاکھ دستخطوں کے ساتھ یہی مطالبہ کیا تھا۔ آج بھی ہمارا یہی مطالبہ ہے۔ بس ہم اس سے ذرہ برابر زیادہ نہیں چاہتے۔ یہ سہولتیں تو ہمیں غلام ہندوستان میں فرنگی حاکموں نے بھی دے رکھی تھیں۔ ہاں میں یہ واضح کر دوں کہ ہم اس سے ذرہ برابر کم لینے پر بھی کسی صورت میں آمادہ نہیں۔"

اردو کانفرنس کے اس افتتاحی جلسہ سے بہار ریاستی کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری جناب رام بلاس شرما، ایس۔ ایس۔ پی اور متحدہ محاذ کے صدر جناب راما نند تیواری، دائیں بازو کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر جناب سنیل مکرجی، بائیں بازو کمیونسٹ کے لیڈر جناب ستیہ نرائن داس اور ایس۔ ایس۔ پی کے شری بھولا پرشاد سنگھ نے بھی خطاب کیا۔

آخر میں جناب شیو پرشاد سنہا صاحب نے اپنی صدارتی تقریر کی انھوں نے کہا: "اگر ہم ذرا بھی بہ نظر غائر اور تعصب سے بلند ہو کر سوچیں تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ اردو درحقیقت اس ملک کے دو بڑے فرقوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کی تصویر اور یگانگت اور رواداری کی ایک معجز نما صورت ہے۔ اس کا وجود ملک کے دو بڑے فرقوں کے باہمی بھائی چارہ کے خیال کا رہین منت ہے اس کی ابتدا ہی ضروریات وقت کے تقاضوں کے تحت ہوئی ہے اور ہندو و مسلم دونوں اس کی بدولت شیر و شکر ہو کر رہے ہیں چنانچہ دونوں فرقوں نے اس کی ترویج میں مساوی خدمات انجام دی ہیں اب اگر اس کو نظر انداز کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب تک کی متفقہ کوششوں سے جو باہمی اتحاد کے متعلق ہمارے اسلاف نے انجام دی ہیں۔ ہم ان سے صریح انحراف کر رہے ہیں۔"

جناب صدر نے اپنے طویل خطبۂ صدارت میں اردو کی جانب پر امید خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا "میرا اپنا یقین تو یہ ہے کہ وہ دن جلد یا بدیر ضرور آئے گا کہ جب اردو کو اس کا صحیح مقام حاصل ہو کر رہے گا اور آپ لوگوں کی کوششیں بار آور ثابت ہوں گی۔ میں آپ سے ملتجی ہوں کہ اس وقت تک آپ صاحبان اپنی کوششیں برابر جاری رکھیں اور اردو کی بقا کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں کیونکہ قدرت کا قانون یہی ہے کہ دنیا میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

اس افتتاحی جلسہ میں حاضرین کا کافی جوش و خروش پایا جاتا تھا جس کا مظاہرہ بار بار تقریروں پر تالیاں بجانے سے ہو رہا تھا۔

۱۱ ستمبر کو ۹ بجے ڈیلیگیٹس سیشن ہوا جس میں غلام سرور صاحب کی پیش کردہ مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی۔

"ہندوستان کے قومی مسائل میں ایک بہت بڑا اور نہایت دشوار مسئلہ زبان کا رہا ہے۔ گرچہ اصلاً اس کا تعلق خالص تہذیبی دائرے سے ہے لیکن ہندوستان کے مخصوص اجتماعی احوال کے تحت زبان کے اس مسئلے نے ماضی قریب میں بڑی خطرناک سیاسی پیچیدگیاں پیدا کی ہیں۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ بعض مواقع پر اس لسانی تنازع ہی نے حیرت انگیز قومی تفرقوں کو جنم دیا ہے۔ تحریک آزادی کے زمانے میں یہ زبان ہی کا مسئلہ تھا جس نے ہندوستانیوں کے دلوں کو بانٹ دیا اور آزادی کے بعد بھی یہ زبان ہی کا مسئلہ تھا جس نے ملک کو مختلف لسانی خطوں میں تقسیم کر دیا، اور آج بھی یہ زبان ہی کا مسئلہ ہے جس کے سبب ہمارا ملک ایک ایسی کل ہند زبان سے محروم ہے جو تمام ہندوستانیوں کے دل کی آواز ہو اور جس کے ذریعے ہماری تہذیب اور تعلیم پروان چڑھے۔ ہم دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ یہ سارے مسائل اور پیچیدگیاں صرف اس لیے ہیں کہ اس ملک میں آزادی کے تقریباً انیس برسوں بعد بھی اب تک لسانی مسئلے کو حقیقت پسندی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اس موقعے پر ہم اس تاریخی حقیقت کو یاد دلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ تحریک آزادی کے زمانے میں مہاتما گاندھی نے اس ملک کے لسانی مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک بہت ہی حقیقت پسندانہ

اور قوم پرورانہ فیصلہ کیا تھا چنانچہ اسی عظیم آباد میں ۱۹۳۸ء میں عبدالحق، راجندر پرشاد کے ذریعے پوری قوم نے طے کر دیا تھا کہ آزاد ہندوستان کی قومی زبان "ہندوستانی بخط دیوناگری و فارسی" ہوگی لیکن ۱۹۵۰ء میں نافذ ہونے والے دستور نے تنہا ہندی بخط دیوناگری کو ملک کی واحد سرکاری زبان دے دیا۔ یہ اردو کے ساتھ پہلی اور بنیادی حق تلفی ہوئی، بہرحال، دستور ساز اسمبلی کے فیصلے کے بعد اردو والوں نے "کشادہ دلی" کے ساتھ ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ان کو بجا طور پر توقع رہی کہ اردو کو کم از کم اس کے اپنے حقوق تو ضرور دے دیے جائیں گے لیکن افسوس کہ اس ملک میں اردو کے حقیقی مقام اور اس کے جائز حقوق کو بالکل نظر انداز کر کے ریاست اور سماج کے تمام اداروں سے اردو کو نیست و نابود کرنے کی پیہم اور منظم کوششیں شروع ہو گئیں۔

چنانچہ سب سے پہلی بار ۲۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے زیر قیادت بہار میں دس لاکھ اردو والوں کے دستخط جمع کر کے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں ایک باضابطہ وفد کے ساتھ ایک میمورنڈم پیش کیا گیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اردو کو بہار کی علاقائی زبان تسلیم کر کے مخصوص مقاصد کے لیے اس کے استعمال کا حکم دیا جائے لیکن یہ آواز بار بار کی یاد دہانیوں کے باوجود صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اس کے بعد نومبر ۶۰ء میں پٹنہ میں منعقد ہونے والی ریاستی اردو کانفرنس نے حکومت سے پھر مطالبہ کیا کہ مذکورہ دفعہ کے تحت متذکرہ علاقوں میں اردو کو مخصوص مقاصد کے لیے علاقائی و سرکاری زبان قرار دیا جائے۔ نومبر ۶۱ء میں مظفرپور میں منعقد ہونے والی ریاستی اردو کانفرنس نے مطالبہ کیا کہ حکومت بہار دستور کی دفعہ ۳۴۵ کے تحت بہار اسٹیٹ آفیشل لینگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے اردو کو بہار کی ثانوی سرکاری زبان قرار دیے جانے کا اعلان کر دے۔ جنوری ۶۲ء میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک وفد وزیر اعلیٰ بہار سے ملا اور اس موقع پر انھیں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں اردو کو بہار میں علاقائی و ثانوی سرکاری زبان قرار دیے جانے کے پرانے مطالبے کو دہرایا گیا۔

مارچ ۱۹۶۵ء میں وزیر اعلیٰ بہار کو ایک میمورنڈم اس گذارش کے ساتھ پیش کیا گیا کہ وہ اس کو دلی میں ہونے والی وزرائے اعلیٰ کانفرنس میں اپنی طرف سے پیش کر دیں۔ اپریل ۱۹۶۵ء کے بہار اسٹیٹ اردو کنونشن منعقدہ پٹنہ میں بھی بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے اس قدیم مطالبے کو شدت کے ساتھ دہرایا گیا کہ اردو کو قانونی طور پر بہار کی علاقائی و ثانوی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔ اپریل ۱۹۶۶ء میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ و مجلس منتظمہ کے مشترکہ جلسے نے بہار میں اردو کے حقوق منوانے کی خاطر ہر طرح کے جمہوری اقدامات کرنے کے لیے ایک ایکشن کمیٹی کی تشکیل کی۔ اس ایکشن کمیٹی نے بہار اسٹیٹ اردو کنونشن منعقدہ اپریل ۱۹۶۵ء کی تجویز کے مطابق منصوبہ بنایا کہ بہار میں اردو کو علاقائی و ثانوی سرکاری زبان منوانے کے لیے ایک تدریج و ترتیب کے ساتھ سب سے پہلے حکومت بہار اور حکومت ہند سے آخری بار قطعی گفتگو کر لی جائے اس کے بعد پوری ریاست میں یوم اردو منا کر اسمبلی کے سامنے عوامی مظاہرہ، بھوک ہڑتال اور ستیہ گرہ کی تیاریاں کی جائیں اور آخر میں اردو کے مسئلے کو آئندہ الکشن کا ایشو بنا دیا جائے۔ چنانچہ پہلے مرحلے پر جون ۱۹۶۶ء میں وزیر اعلیٰ بہار سے ایک وفد نے ملاقات کر کے ان کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کر دیا۔ وزیر اعلیٰ کی طرف سے جواب میں کافی تاخیر ہو گئی تو وزیر اعظم سے ملاقات کے لیے درخواست کی گئی لیکن وزیر اعظم نے وقت دینے سے انکار کر دیا اور وزیر اعلیٰ نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ اس اثنا میں گوپال گنج، سیوان اور گیا میں ضلعی و علاقائی کانفرنسوں میں اردو کا بنیادی مطالبہ پیہم دہرایا جاتا رہا۔

اس پس منظر اور فضا میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی یہ کانفرنس بالکل آخری بار حکومت ہند سے قطعی مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بلا تاخیر دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت بہار اسٹیٹ آفیشل لینگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے اردو کو بہار کی علاقائی و ثانوی سرکاری زبان قانونی طور پر تسلیم کیے جانے کا اعلان کر دے۔ ورنہ یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ اپنا مذکورہ بنیادی و اصلی مطالبہ منوانے کے لیے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کو اگر حکومت سے ۲ اکتوبر تک تشفی جواب نہ ملے تو وہ سب کچھ کرنے جا رہی ہے جس کا عزم اس نے اپریل ۱۹۶۵ء کے بہار اسٹیٹ اردو کنونشن میں کیا تھا اور جس کی تفصیل اس کی بنائی ہوئی ایکشن کمیٹی نے کر دی ہے۔ جمہوری طریقوں کی ناکامی کے بعد بہار ریاستی انجمن ترقی اردو، اردو کے مسئلے کو بہار میں جنرل الکشن کا موضوع بنا دے گی۔ اس سلسلے میں یہ اجلاس قطعی طور پر واضح کر دیتا ہے کہ ہمارا اصلی مطالبہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اردو کو آئینی و قانونی طور پر بہار کی علاقائی و ثانوی سرکاری زبان قرار دیا جائے اس سے کم درجے کی کوئی بھی مراعات ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہوگی۔"

(بحوالہ آدرش، گیا)

انتخاب ممبران کونسل بہار ریاستی انجمن ترقی اردو

پٹنہ ۱۹ ستمبر۔ بہار اسٹیٹ اردو کانفرنس کے دوسرے روز ۱۸ ستمبر ۶۶ء کو ڈھائی بجے دن میں جناب نثار احمد خاں ایڈوکیٹ کی صدارت میں کانفرنس کے ڈیلی گیٹوں کی انتخابی نشست ہوئی۔ اس نشست میں کل ۵۰۰ ڈیلی گیٹوں نے شرکت فرمائی۔

نشست میں انجمن کا دستور پڑھ کر سنایا گیا اور اس کی رو سے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کانسل کے ۵۵ ممبران کے انتخاب کی کارروائی شروع ہوئی۔ جناب غلام سرور نے ایک فہرست پیش کی جس میں بائیس نامور مقتدر شخصیتوں کے نام تھے اور باقی ۳۳ ممبروں کو ڈیلی گیٹ حضرات اپنی شاخوں کے ڈیلی گیٹوں کی تعداد اوپر ہر پانچ ڈیلی گیٹ پر ایک کانسل کے ممبر کے حساب سے تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کی تائید نواب سید حفیظ نواب دانش عظیم آبادی نے کی اور جناب سید شاہ محمد عمیر سابق ایم۔ پی و سید نظیر حیدر ایم۔ ایل۔ سی نے تائید مزید کی۔

جناب سید اشہد علی ایڈوکیٹ نے ۵۵ ناموں کی ایک فہرست پیش کی جس کی تائید جناب انور زیدی ایڈیٹر ہفتہ وار روشنی نے کی بہ خواندگی

تجویز بھاری اکثریت سے مسترد کر دی گئی اور جناب صدر نے اس کے نامنظور ہونے کا اعلان فرما دیا۔ تب جناب غلام سرور کی تجویز بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد نصف گھنٹہ کے لیے نشست ملتوی کر دی گئی اس دوران میں ہر شاخ کے ڈیلی گیٹوں نے متفقہ فیصلے کر کے اپنی اپنی شاخ کی جانب سے ممبران کانسل کے نام داخل کر دیے جس کی بنیاد پر جناب غلام سرور نے ۵۵ ممبران کی پوری فہرست پیش کر دی جو منظور کر لی گئی۔

منتخب ممبران کانسل کی نشست انجمن اسلامیہ ہال کے بند کمرے میں ہوئی۔ ۵۱ ممبران کانسل اس نشست میں موجود تھے۔ صرف چار ممبران بعض مجبوریوں کے پیش نظر تشریف نہ لا سکے۔ اس جلسے کی صدارت کے لیے جناب غلام سرور نے جناب نثار احمد خاں ایڈوکیٹ کا نام پیش کیا اور جناب ہارون رشید ایڈیٹر امروز ہند نے اس کی تائید کی پھر انتخاب عمل میں آیا۔ صدر، نائب صدر اور جنرل سکریٹری کے عہدوں کے لیے کئی نام پیش ہوئے مگر باقی تمام نام واپس لے لیے گئے اور بہ اتفاق آرا جناب غلام سرور، صدر، نواب سید غضنفر نواب دانش، محترمہ عزیزہ نقی امام، جناب ڈاکٹر محمد شفیع ایم۔ بی۔ بی۔ ایس نائبین صدر اور جناب ثبات صدیقی جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔

تمام ممبران نے تالیوں کی گونج میں نئے عہدیداروں کا خیر مقدم کیا ان منتخب حضرات کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ خازن، سکریٹریز اور ممبران مجلس عاملہ کو نامزد کریں۔ آخر میں صدر منتخب کی تقریر ہوئی۔ صدر جلسہ جناب نثار احمد خاں نے اپنی تقریر میں مبارکباد کے ساتھ ساتھ نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

(محمد ضیاء اللہ ندیم آفس سکریٹری)

ریاستی شاخ اتر پردیش کی مجلس عاملہ اور کونسل کا جلسہ

انجمن ترقی اردو یوپی کی مجلس عاملہ اور کونسل کا جلسہ زیر صدارت پنڈت آنند نرائن ملا صدر انجمن سنٹرل ہوٹل امین آباد میں ۳۱ جولائی ۱۹۶۶ء کو منعقد ہوا جلسہ میں مختلف اضلاع کے نمائندوں اور ریاستی انجمن کے ممبران نے شرکت کی۔ اردو کی موجودہ پوزیشن اور دقتوں پر تمام حضرات نے اپنے اپنے خیالات ظاہر کیے۔ خاص طور پر اردو کی تعلیم کے سلسلہ میں مشکلات پر غور کیا گیا اور مرکزی انجمن سے حسب ذیل درخواست کی گئی۔

”انجمن ترقی اردو یوپی کے پاس یہ شکایات آتی رہتی ہیں کہ متعدد تعلیمی اداروں، بیسک اسکولوں سے لے کر ڈگری کالجوں تک، اردو طلبہ کی کافی تعداد ہونے کے باوجود اردو تعلیم کا انتظام نہیں کیا جاتا اس لیے صوبہ اتر پردیش کی مجلس عاملہ مرکزی انجمن سے پر زور سفارش کرتی ہے کہ حکام سے مل کر یوپی کی تعلیمی شکایتوں کو دور کرنے کے لیے مرکزی انجمن اپنی جانب سے صدر ریاستی انجمن کو خصوصی اختیار دے کہ وہ مندرجہ بالا کام سکے مرکزی نمائندے کی حیثیت سے حکومت یوپی کے ذمہ داروں سے گفت و شنید کر کے آئندہ شکایتوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

ایک تجویز کے ذریعے مرکزی انجمن ترقی اردو سے درخواست کی گئی کہ وہ بعد از جلد کل ہند انجمن ترقی اردو کا اجلاس حسب فیصلہ جے پور کانفرنس بہار، پنجاب یا کسی اور ریاست میں بلوائے۔

(قاضی مختار احمد سکریٹری ریاستی انجمن ترقی اردو لکھنؤ)

انجمن ترقی اردو (ہند)، شاخ گیا کی ورکنگ کمیٹی کے نامزد ممبران

۱۔ جناب کاظم حیدری صاحب (صدر)، ۲۔ جناب حکیم سعد اللہ صاحب (نائب صدر) ۳۔ جناب حافظ مسعود صاحب (جنرل سکریٹری)، ۴۔ جناب معین شاہد صاحب (سکریٹری)، ۵۔ جناب صباح الدین صاحب (جوائنٹ سکریٹری)، ۶۔ جناب عاشق مالک صاحب (خزانچی)، ۷۔ جناب حاجی زین الدین صاحب، ۸۔ شری رائے بالگیشری پرساد صاحب، ۹۔ جناب نظام الدین صاحب، ۱۰۔ جناب ادریس سنسہاروی صاحب، ۱۱۔ جناب پروفیسر علیم اللہ حالی صاحب، ۱۲۔ جناب حبیب الرحمن صاحب، ۱۳۔ جناب سید علی اظہر صاحب، ۱۴۔ جناب نور خاں صاحب، ۱۵۔ جناب مولانا فاروق الحسینی صاحب۔

(معین شاہد)

راجستھان میں اردو کے لیے جد و جہد

معلوم ہوا ہے کہ لسانی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے جو ایک کمیٹی گورنمنٹ راجستھان نے مقرر کی ہے۔ اس کی دوسری میٹنگ آج ۲ ستمبر ۶۶ء کو بوقت ۳ بجے دن چیف سکریٹری صاحب راجستھان کے آفس روم میں منعقد ہوئی۔

حسب ذیل حضرات نے شرکت کی:

(۱) چیف سکریٹری صاحب راجستھان صدر۔
(۲) ایجوکیشنل سکریٹری صاحب راجستھان
(۳) خان بہادر لطافت احمد صاحب خیری آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔
(۴) مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان۔
(۵) ڈائرکٹر صاحب بھاشا وبھاگ راجستھان
(۶) ڈپٹی ڈائرکٹر صاحب 〃 〃 〃
(۷) سکریٹری صاحب سکنڈری ایجوکیشن بورڈ راجستھان

(۲ تا ۷: ممبران)

دریافت ہوا ہے کہ اس میٹنگ میں متعدد فیصلے کیے گئے جن میں سے بعض یہ ہیں:

(الف) شکایت کی گئی کہ اردو میں جو کورس کی کتابیں درجہ سوم سے درجہ ہشتم تک چھپی ہیں ان میں بہت زیادہ املا، انشا اور عبارت کی غلطیاں ہیں۔ قرار پایا کہ سکریٹری صاحب بورڈ اس بابت

پڑھنا جواب جلد تر بھیجیں۔

(ب) گذشتہ میٹنگ میں جو ایک گوشوارہ انجمن کی جانب سے ایسے اسکولوں کا پیش کیا گیا تھا کہ جہاں تعداد طلبہ پوری ہے اور پھر بھی اردو کی تعلیم جاری نہیں کی گئی اس کی بابت ایجوکیشن سکریٹری صاحب نے کہا کہ ان کی بابت معلومات کرلی گئی ہے۔ جہاں جہاں شرط پوری ہوتی تھی وہاں اردو کی تعلیم جاری ہے نمائندہ انجمن نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور چند تازہ مثالیں۔ چورو۔ کوٹہ۔ ٹونک اور بانسی وغیرہ کی پیش کیں۔ کافی بحث مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ۔

(۱) انجمن ایسے اسکولوں کی۔ ایک تازہ فہرست پیش کرے کہ جہاں بموجب احکام گورنمنٹ مقررہ تعداد طلبہ اب بھی تعلیم اردو جاری نہیں ہے۔ خواہ پرائمری اسکول ہوں یا مڈل اسکول یا سکنڈری اسکول یا ہائر سکنڈری اسکول۔

(۲) قرار پایا کہ ہر تعلیمی سال کے آغاز میں تین ماہ کے اندر انسپکٹر صاحبان حلقہ افسران متعلقہ کو رپورٹ کیا کریں کہ جہاں جہاں اردو کے طلبہ کی تعداد پوری ہے وہاں اردو کی تعلیم کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

(۳) منجانب نمائندہ انجمن کے شکایت کئے جانے پر طے ہوا کہ اردو کے تمام طلبہ کو کلاس وار ایک ہی سیکشن میں رکھا جائے جدا جدا سیکشنوں میں نہ بانٹا جائے اور یہ عذر نہ کیا جائے کہ کسی بھی سیکشن میں دس طالب علم نہیں ہیں۔

(۴) قرار پایا کہ انجمن ترقی اردو راجستھان کے مقامی نمائندے تعلیمی مشکلات مقامی افسران تعلیم سے اول رجوع کیا کریں۔

(۵) قرار پایا کہ اردو کے سینئر ٹیچر جہاں جہاں ضرورت ہو مقرر کئے جائیں اور اس کی بابت معلومات کی جا کر عملی قدم اٹھائے جائیں۔

(۶) جہاں جہاں اردو کے ٹیچر نہیں ہیں وہاں مقرر ہونے چاہئیں۔

(ج) اردو کی کتابوں کی اسکولوں کی لائبریریوں میں خریداری کی بابت قرار پایا کہ مزید احکام اس بابت جاری کئے جائیں۔

(د) منجانب ایجوکیشنل سکریٹری صاحب شکایت کی گئی کہ اردو کی کورس کی کتابیں فروخت نہیں ہوتیں۔ بہت ہی کم اب تک بکی ہیں۔ نمائندہ انجمن نے جواب دیا کہ اس کی بڑی وجہ ان کا غلط چھپنا ہے۔ اور کچھ اور بھی وجوہ ہیں جو دور ہو سکتے ہیں۔

(ہ) راجستھان ساہتیہ اکیڈمی اودے پور کی بابت کہا گیا کہ چیف منسٹر صاحب راجستھان کے اعلان کے باوجود تین سال میں اس نے کوئی بھی کتاب اردو کی اردو رسم خط میں شائع نہیں کی تو جواب دیا گیا کہ ہندی رسم خط میں اس نے اردو کی کتاب مرتبہ پروفیسر پریم شنکر سری واستو شائع کی ہے۔ نمائندہ انجمن نے کہا کہ ہندی رسم خط میں اردو کی کوئی کتاب شائع کرنا اردو کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے بلکہ ہندی کی خدمت ہے۔ اس نے بہت زور کے ساتھ یہ دلیل پیش کی کہ اگر دوسرے رسم خط میں کسی زبان کی کتاب شائع کرنا اس کی خدمت ہوتی تو یا ضرور ہندی کی کتاب اردو رسم خط میں چھاپی جاتی جس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ہے پھر اردو کو ہندی رسم خط میں چھاپنا اردو کی خدمت کیونکر ہو سکتی ہے یہ صرف ہندی کی خدمت ہے کہ اردو کے سرمایہ سے ہندی کا خزانہ پر کیا جا رہا ہے۔

خیری صاحب نے دستور ہند کی دفعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اسکرپٹ (رسم خط) کے تحفظ کا ذمہ بھی دستور نے لیا ہے۔ اردو کی کتاب اردو رسم خط میں چھپنے پر ہی اس کو اردو کی کتاب کہا جائے گا۔ آدھے گھنٹے چلنے کے بعد یہ میٹنگ ختم ہوئی۔

(نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو شاخ کوٹہ کا خط بنام جنرل سکریٹری انجمن راجستھان

(ریاستی انجمن ترقی اردو راجستھان کے ایک گشتی مراسلے کے جواب میں شاخ کوٹہ کے سکریٹری کوٹہ میں اردو کے سلسلے میں جو خط لکھا ہے اس کا متن درج ذیل ہے۔ (ادارہ "ہماری زبان")

مہاتما گاندھی گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول رام پورہ میں جماعت نہم سے یازدہم تک قریب ۴۵ طلبہ اردو پڑھ رہے ہیں اور جماعت نویں سے دسویں تک سہ سالی نارمل میں قریب ۲۰ طلبہ اردو کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسکول ہذا کو ہائر سکنڈری ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں اردو کے علاوہ دیگر سب مضامین کے سینئر ٹیچرس بھی ہیں۔ بلکہ بعض مضامین جیسے انگلش اور حساب وغیرہ میں تو ایڈیشنل سینئر ٹیچرس بھی ہیں۔ لیکن اردو میں کافی تعداد طلبہ ہونے ہوئے بھی اور کئی مرتبہ محکمہ کو توجہ دلانے کے باوجود اردو میں سینئر ٹیچر کی پوسٹ اب تک منظور نہیں کی گئی۔ جس کی وجہ سے اردو کا قابل آدمی ان طلبہ کے لیے نہیں تھا۔ انجمن کی طرف سے توجہ دلائی جائے کہ جن اسکولوں میں گیارہویں جماعت میں اردو اختیاری مضمون کی حیثیت سے چل رہی ہے۔ وہاں اردو کے سینئر ٹیچر مقرر کئے جائیں۔

گرلز ہائر سکنڈری اسکول رام پورہ میں پندرہ طالبات نے جماعت نہم میں اردو پڑھنے کی درخواست دی اور مقامی انجمن اس کے لیے جد و جہد کر رہی ہے لیکن اب تک ڈائرکٹر صاحب کے یہاں سے منظوری نہیں آئی جب کہ حلقہ گرلز سکنڈری اسکول ہیاس سائنس کا عدات حوالے کئے تھے جن کی منظوری آ چکی ہے۔ دو سال سے برابر گرلز اسکول میں کوشش کی جا رہی ہے لیکن اب تک اس اسکول کی منظوری نہ جانے کیوں نہیں دی گئی۔

طالبات پریشان ہیں کہ آٹھویں جماعت تک اردو پڑھتی رہیں اور نویں جماعت میں ان کو سنسکرت کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔ باوجود بار بار یاد دہانی کے اردو مدرسین کا تقرر نہیں کیا جاتا اور اردو ٹیچروں کے تبادلے ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ دوسرا اردو ٹیچر نہیں دیا جاتا مثلاً رام پورہ مڈل اسکول کے ٹیچر کا تبادلہ وغیرہ۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا